

روٹھی رانی

شادی کی تیاری

او ما دے جی سلیمیر کے راول لوں کی بیٹی تھی، 1586ء میں فرماس روائے کی گلدی پر جلوہ افوز تھا، بیٹی کے پیدا ہونے سے پہلے تو دل ذرا شکستہ ہوا۔ مگر جب اس کے حسن و جمال کی خبر آئی تو آنسو بجھ گئے۔ حجورے ہی لوں میں اس لڑکی کے حسن و جمال کی دھوم سارے راجپوتانہ میں مج گئی سکھیاں سوچتی تھیں ویکھیں یہ ناز نہیں کس بھاگوان کو ملتی ہے۔ وہ اس کے آگے دلیں دلیں کے راجوں مہاراجوں کے اوصاف بیان کرتیں اور اس کے جی کی تھاہ لیتیں، لیکن او ما دے اپنے حسن کے غرور میں کسی کو خیال میں نہ لاتی تھی اور صرف اوصاف ظاہری پر اسے ناز نہ تھا، وہ اپنے دل کی مضبوطی، حوصلہ کی بلندی اور فیاضی میں بھی اپنا نظیر نہ رکھتی تھیں۔ عادات سارے عالم سے پرانے تھے۔ چھوٹی موتی کی طرح جہاں کسی نے انگلی و کھانی اور وہ کمالی۔ ماں کہتی، بیٹی پرانے گھر جانا، تمہارا نباه کیوں کر ہوگا۔ باپ کہتا پینا! چھوٹی چھوٹی باتوں پر برانہ ماننا چاہیئے وہ اپنی دھن میں کسی کی نہ سنتی تھی۔ سب کا جواب اس کے پاس خاموشی تھا، کوئی کتنا ہی بھوکنے، جب وہ کسی بات پر اڑ جاتی تو اڑی ہی رہتی تھی۔

آخر لڑکی شادی کرنے کے قابل ہوئی۔ رانی نے راول سے کہا کہ بے خبر کیسے بیٹھے ہو؟ لڑکی سیانی ہوئی، اس کے لیے برڈھونڈو بیٹی کے ہاتھوں میں مہندی رچاؤ۔ راول نے جواب دیا ”جلدی کیا ہے، راجا لوگوں میں چرچا ہو رہا ہے، آج کل شادی کے پیغام آیا چاہتے ہیں۔ اگر میں اپنی طرف سے کسی کے پاس پیغام بھیجوں گا تو اس کا مزاج آسمان پر چڑھ جائے گا۔“

مارواڑ کے بہادر راجہ مالدیو نے بھی او ما دے کے حسن جہاں سوز کا شہرہ سنایا اور اس کا نام آنہ بانے عاشق ہو گیا۔

اس نے راول سے کہا بھیجا کے مجھے اپنی فرزندی میں قبول فرمائی۔ ہمارے اور آہ کے درمیان زمانہ قدیم سے رشتہ ہوتے چلے آئے ہیں، آج کوئی نئی بات نہیں۔ راول نے یہ پیغام پا کر دل میں کہا، وہ امیر اس اسارا راج تو تاخت و تاراج کر ڈالا۔ اب شادی کا پیغام دیتے ہیں مگر پھر سوچا کہ شیر پنجرے میں ہی پھنتا ہے، ایسا موقع پھرنہ ملے گا۔ ہرگز نہ چونا چاہیے۔ یہ سوچ کر راول نے سونے اور چاندی کے ناریل بھیجے۔ راؤ ملا دیو جی بارات سجا کر جیسلمیر بیاہ کرنے آئے چیتا اور نپا جواس کے سور ماسر دار تھے، اس کے دائیں بائیں چلتے تھے۔

راول نے اپنی رانی کو بابا یا اور قلع کے جھروکے سے راؤ ملا دیو کی سواری کو دکھا کر کہا کہ یہ وہی شخص ہے جس کے خوف سے نہ مجھے رات کو نیند آتی ہے اور نہ تجھے کل پڑتی ہے، یہ اب اسی دروازہ پر تو رباند ہے گا، جو اکثر اسی وقت کوف سے بند رہتا ہے، مگر دیکھ! میں بھی کیا کرتا ہوں اگر چونزی میں سے بیچ کر چلا گیا تو مجھے راول مت کہنا، بیٹھ تو بیوہ ہو جائے گی پر تیرے دل کا کاننا جنم بھر کے لیے نکل جائے گا بلکہ راجپوتانہ کو اُن وامان حاصل ہو جائے گا۔

رانی یہ سن کر رو نے لگی، راول نے ڈانٹ کر کہا ”چپ! راوے نے لگی تو بات پھوٹ جائے گی پھر خیریت نہیں، یہ ظالم بھی کونوش کر جائے گا، دیکھ ذرا شادی کرنے آیا ہے مگر فوج کتنی ساتھ لا لیا ہے، گویا کسی سے لڑنے جا رہا ہے، اتنی فوج تو گھر سونر کا سارا پانی ایک ہی دن میں پی جائے گی، ہم تو اور سب شہر کے باشندے پیا سے مر جائیں گے۔“ رانی کو بیٹھی کے وہ ہوا ہو جانے کے خوف سے صدمہ تو بہت ہوا، مگر شوہر کی بات مان گئی اور چھاتی پر پتھر رکھ کر چپ ہو رہی، تاہم اس کی گھبراہٹ اور پریشانی چھپائے نہیں چھپتی تھی۔

بیٹھی ماں کو گھبرائی دیکھ کر سمجھ گئی کہ وال میں کچھ کالا ہے مگر کچھ پوچھنے کی ہمت نہ پڑی، بیٹھی ذات اتنی ڈھنڈائی کیسے کرتی۔ ماں کا رونا محبت کا رونا تھا۔ جب اس نے

ماں کا اضطراب ہر لمحہ بڑھتے ہوئے دیکھا تو راڑگئی کہ آج سہاگ اور نڈا پاس اساتھ ملنے والا ہے۔ جی میں بہت ترقی، تعلماں میں مگر کایا جو مسوں کر رہ گئی، کیا کرتی۔ ہمارے ہاں بیٹی بن سینگوں کی گائے ہے، ماں باپ اس کے رکھواں ہیں مگر جب ماں باپ ہی اس کی جان کے گرا امک ہو جائیں تو کون کس سے کہے۔

سکھی سہیلیاں پچھولی پچھولی پھر تی تھیں، راج محل میں شادیاں نج رہے تھے، پھو طرفہ نمرت کے جلوے نظر آتے تھے، اوہر بار اتنیوں میں خوب تیاریاں ہو رہی تھیں۔ قص و سرو دی محفل گرم تھی مگر فسوس کسی کو کیا معلوم کہ جس دہن کیلے یہ سب ہو رہا ہے، وہ اندر گھلی جا رہی ہے۔ سکھیاں اسے دہن بنارہی ہیں، کوئی اس کے ہاتھ پاؤں میں مہندی رچاتی ہے، کوئی موتیوں سے مانگ بھرتی ہے، کوئی چوئی میں پچھوں گوند حصتی ہے، کوئی آنینہ دکھا کر کہتی ہے، خوب بنی ہو پر یہ کوئی نہیں جانتا کہ بنی کی جان پر آبنی ہے۔ جوں جوں دن ڈھلتا ہے اس کے چہرے کارنگ اڑتا جاتا ہے۔ سکھیاں اور ہی وھیاں میں ہیں۔ یہاں بات ہی اور ہے۔

اوما دے یکا یک سکھیوں کے جھرمٹ سے انٹھ گئی اور بھاریلی نام کی ایک سمجھڑ سیکھیلی کو واشارے سے الگ بلاؤ کر کچھ بات کرنے لگی۔

بھاریلی روپ بدل کر چپکے سے راگھو جی جو شی کے پاس گئی اور پوچھنے لگی کہ ”کیا آپ نے کسی کنواری کنیا کا مہورت نکالا ہے۔“ انہوں نے جواب دیا ”اور کسی کا تو نہیں۔ راول جی کی بائی کے بیاہ کا مہورت البتہ نکالا ہے۔“

بھاریلی: کیا آپ پھیروں کے وقت بھی جائیں گے؟
جو شی: نہ جاؤں گا تو مہورت کی خبر کیسے ہوگی۔

بھاریلی: کیا اس شہر میں آپ اور بھی کہیں مہورت بناتے اور شادیاں کرواتے ہیں۔

جو شی: سارے شہر میں میرے سوا اور ہے، ہی کون۔ راجا پر جا سب مجھ ہی کو بلا تے

بیں۔

بھاریلی: جو شی جی ناراض نہ ہو جیے گا۔ جن لڑکیوں کی شادیاں آپ کرواتے ہیں وہ کتنی دیر سہاگن رہتی ہیں۔

جو شی: (چونکر) ہیں! یہ تو نے کیا کہا! کیا مجھ سے دل لگی کرتی ہے؟

بھاریلی: نہیں جو شی جی، دل لگی تو نہیں کرتی، سچ مج کہتی ہوں۔

جو شی: ان باتوں کا جواب میرے پاس نہیں، تیرا مطلب جو کچھ ہو ساف صاف بیان کرو۔

بھاریلی: کچھ نہیں، آپ اپنے مہورت کو ایک بار اور جانچ لیجیے۔

جو شی: کچھ کہے گی بھی؟

بھاریلی: آپ اپنی ساعت پھر سے دیکھ لیجیے تو کہوں۔

جو شی: چل دو رہو بیوڑھوں سے کھیل نہیں کرتے۔

یہ کہہ کر جو شی جی اندر چلے گئے، مگر پھر سوچ چار کر ٹپی نکالی، ساعت کو خوب اچھی طرح جانچا اور انگلیوں پر گن کر بولے۔ ”مہورت میں کوئی نقش نہیں ہے۔“

بھاریلی: (افردگی سے) تو پھر قسمت ہی پھولی ہو گی۔

جو شی: (بھوچک ہو کر) نہیں، میں نے جنم پر دیکھ کر مہورت نکالتا تھا۔

بھاریلی: ابھی کرم پڑ بھی دیکھا ہے۔ تمہارے مہورت میں تو باقی جی کو دکھ بھوگنا لکھا ہے۔

جو شی: (تہہ کو پہنچ کر) تو کیا راول جی دغا فریب کرنے والے ہیں؟

بھاریلی: بہاں راؤ مالدیو کو یوں تو مارنے سے رہے، اب صلاح ہوئی ہے کہ شادی کے وقت چوزری میں انہیں مارڈا لیں۔

جو شی: ارے رام! رام! رام اسیے راجاؤں کو دھکا رہے۔

بھاریلی: مہاراج! اس وقت ان باتوں کو تو رکھو! اگر رہائی کی کوئی تدبیر ہو تو بتاؤ۔

جوشی: جب راول جی بھی کو بیٹی پر حرم نہیں آتا تو میں غریب برہمن کیا کر سکتا ہوں۔

بھاریلی: انسان چاہے تو سب سچھ کر سکتا ہے۔

جوشی: تو بھی بتا میں کیا کرو؟

بھاریلی: اچھے جو شی ہو راج درباری ہو کر مجھ سے پوچھتے ہو کہ میں کیا کروں۔

جوشی: راج درباری ہونے سے کیا ہوتا تو نے سنانہیں۔ ”گور و گرد بدیا اور سرسر بدھ۔“

بھاریلی: تو پھر میری تو یہی صلاح ہے کہ راؤ مالدیو کو آگاہ کر دینا چاہئے۔

جوشی: ہاں ایسا ہو سکتا ہے۔

بھاریلی: تو کیا میں بائی جی سے کہہ دوں کہ تمہارا کام ہو گیا؟

جوشی: جی ہاں۔

بھاریلی: اچھا میں جاتی ہوں۔

شادی

دن ڈھل گیا۔ بازار میں چھڑکاو ہو گیا۔ لوگ بارات دیکھنے کے لیے گھروں سے بی الڈے چلے آتے ہیں۔

جوشی نے دربار میں جا کر راول سے کہا۔ اب خیر مقدم کرنے کا وقت قریب آگیا ہے۔ اب سواری کی تیاری کا حکم دیجیے۔

راول: بہت اچھا، بارات والوں کو بھی اس کی خبر کر دو۔

جوشی: ہاں خوب یاد آیا، ایک بات مجھے مارواڑ کے نجومیوں سے پوچھنی ہے۔
راول: وہ کیا۔

جوشی: جنم پترے تو نہیں پر بولتے نام سے راؤ جی کو آج چوتھا چند رہاں اور آٹھواں سورج ہے۔

راول: تو تو اسے کیا۔ مہورت تو اپنے جنم پر سے ہی نکالا ہے۔

جوشی: مہاراج! پکارنے کے نام سے بھی گرد کیجئے جاتے ہیں۔

چوتھا چند رہا اور آٹھواں سورج نجس ہوتا ہے۔ کوئی گرد بارہواں نہیں ہے نہیں تو

راول: (جی میں) کیا اچھا ہوتا جو کوئی بارہواں گرد بھی ہوتا تاکہ تینوں نجومیں یک جا ہو جاتیں۔ (زور سے) ما رواڑ بڑی سلطنت ہے۔ وہاں نجومیوں کی کمی نہیں ہے۔ انہوں نے ضرور سب باتوں کی احتیاط کر لی ہو گی۔ آپ کچھ نہ کہیے گا۔ نہیں تو انہیں خواہ نجواہ شک ہو جائے گا۔

جوشی: انہیں آگاہ کر دینا میرا فرض ہے۔ میں آپ کے خاندان کا خیر نجواہ ہوں۔ میں ابھی جا کر ان سے کہتا ہوں کہ رو بدا کی کوئی تدبیر سمجھیے۔

راول: کیا تدبیر ہو سکتی ہے؟

جوشی: یہی خیرات وغیرہ۔

راول: یہ سب میں اپنی طرف سے کراؤں گا۔ ان سے کہنے کی کیا ضرورت ہے۔
جوشی: انہیں ایہ خیرات انہیں کی طرف سے ہونی چاہئے۔

راول: کیا میری طرف سے ہونے میں کچھ نقصان ہے؟

جوشی: اپنی طرف سے تو تب وان کرایا جاتا ہے جب باñی جی کا ستارہ گروش میں ہوتا۔

راول: آج باñی جی کا ستارہ کیسا ہے؟

جوشی: نہایت مسحود و مبارک، پھر عورت کے ستاروں کا اچھایا برآ ہوا زیادہ تر اس کے شوہر کے ستاروں پر محصر ہے۔ اس لیے باñی جی کی بھی وہی گرد بھجنی چاہئے جو راؤ جی کی ہے۔

راول: اچھا تو بارات میں ہوا ہے، دیر نہ کہیجی گا، یہاں بھی کام ہے۔

جوشی: (چنکی بجا کر) گیا اور آیا۔

راول سے حکم پا کر جوشی جی خوش خوش وہاں سے چلے۔ راؤ مالدیو جی کو خبر ہوئی کہ جوشی را گھوپی آتے ہیں۔ راؤ جی نے کہا۔ ”ان کا بڑی عزت سے استقبال کیا کرو۔ وہ بڑے نامی نجومی ہیں۔ وہ کیا ان کے میئے چند و بھی بھی دے کر بیٹھے گئے۔ راؤ جی نے خیر و عافیت پوچھ کر کہا۔ ”آپ کیوں کرتشریف لائے ہیں؟“

جوشی: (اوہرا اوہر دیکھ کر) کچھ ساعت بیانی ہے۔

یہ سنتے ہی لوگ ہٹ گئے۔ جوشی جی راؤ ساحب سے دو دو باتیں کر کے چل دیئے۔ راؤ جی کو بڑی فکر دامن گیر ہوئی۔ فور اس رداروں کو بلا کر مشورہ کیا کہ ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیے۔

اتنے میں نقاروں کی آواز آئی، پوطر فہ شور مچنے لگا کہ راؤ جی کی سواری آئی۔ تب راؤ جی بھی سر پر مورا اور ماتھے پر سہرا باندھ کر اپنے ڈیرے سے نکلے اور گھوڑے کی پوچا کر کے اس پر سوار ہوئے۔ برات چڑھی۔ کچھ دور جا کر سب جلوں تھتم گیا۔ فرش فرش تکیے مند لگا دینے گئے۔ راؤ اور راؤ دونوں اپنے گھوڑوں سے اترے اور گئے۔ پھر نشان کا ہاتھ آگے کی طرف بڑھا اور اس کے ساتھ دونوں مہاراجے قلعے کی طرف چلے۔ دروازہ پر پہنچ کر راؤ جی تو اندر تشریف لے گئے اور راؤ جی تو رن باندھنے کی رسم ادا کر کے پیچھے پہنچ۔ محل سرا میں پھر دونوں مل کر باہم مند پر متمکن ہوئے۔

راج محل میں شادی کی تیاری ہو گئی۔ ناظر راؤ جی کو بلا نے آیا۔ راؤ جی کے ساتھ راؤ جی بھی اٹھی مگر راؤ کے سرداروں نے انہیں روکا کہ آپ ہمیں تنہا چھوڑ کر کہاں جاتے ہیں۔ راؤ جی نے جھانسے دے کر چاہا کہ یہاں سے چلا جاؤں مگر کون جانے دیتا ہے۔ راؤ کے سرداروں نے ان کا ہاتھ پکڑ کر بیچ میں بٹھایا۔ اب تو یعنے کے دینے پڑ گئے۔ جاتے تھے راؤ کو مارنے اب اپنی ہی جان کے لالے پڑ گئے۔

ان کے سردار بھی سب سئی پئی بھول گئے۔ اوہ راؤ جی بے کھلکھلے خرماں رنواس میں داخل ہو گئے۔

زنانی دہنیز میں پہنچتے ہی او ما دے کی ماں نے راؤ جی کی آرتی اتاری۔ ان کے ماتھے پر وہی کا یکدیا لگایا اور جی میں کہا کہ ایسے ہی میرا کیجہ ٹھنڈا رہے۔ بعد ازاں ناک کھینچ کر اپنا دوپٹہ ان کے گلے میں دال کر انہیں چوری میں لے آئی۔

برمن وید منتر بڑی خوش الحان سے پڑھنے لگے۔ آگ میں آہوتی پڑی۔ ہون ہونے لگا۔ راؤ جی کا ہاتھ او ما دے کے ہاتھ سے ملایا گیا۔ او ما دے آگے ہوئی اور راؤ جی پیچھے پیچھے چلے۔ تین بار ہون کند کا طواف کیا۔ تب عورتیں یہ گیت گانے لگیں۔

پہلے پھیرے بائی کا کاری چتھی

دو جے پھیرے بائی ماماری چتھی

تیجے پھیرے بائی بواری چتھی

چوتھے پھیرے میں راؤ جی آگے ہو گئے اور او ما دے ان کے پیچھے چلنے لگی۔ تب عورتوں نے یہ پچھا بندگا کرنا گیت پورا کیا۔

چوتھے پھیرے بائی ہوئی رہے پرانی

گیت سننے ہی ماں اور بہنوں کے دل بھرائے نکھوں سے آنسو ٹکنے لگے کہ اب پیاری او ما دے پرانی ہو گئی۔ اس طرح یہ شادی بیساکھ سدی 1593، شبِ کو حسن تمام انجام پہنچی۔

رنگ برنگ میں بھنگ

شادی ہونے کے بعد لڑکی اپنے محل میں چلی گئی۔ بڑی بوڑھی عورتیں اوہ راؤ جی کھسک گئیں۔ بہو کی سہیلیاں راؤ جی کو اس کے محل کی طرف لے چلیں۔ راستہ میں ایک جگہ گانا ہو رہا تھا۔ کتنی ہی حور و شم، مہ پارانا ز نیں سہاگ کے گیت گانا الا پر ری تھیں۔ راؤ جی چلتے چلتے وہاں پھسل پڑے۔ عورتوں کے گانے اور روپ رنگ نے

ان پر جاؤ کر دیا۔ وہیں ڈٹ گئے۔ خواصیں دوڑیں۔ ایک نے چاندی، دوسرے نے سوزنی اور تیسرا نے تیکے لگادیئے۔ پانچ ساتھ سکھیوں نے مل کر چھوٹا سا شا میانہ کھڑا کر دیا۔ راؤ جی اٹھو ہو گئے۔ پھر کیا تھا وہیں بیٹھے گئے۔ دو خواصیں دائیں باہمین مورچھل لے کر کھڑی ہو گئیں۔ دو چنور ہلانے اور ہنکھا جھلنے لگیں، گرمیوں کی سہانی رات۔ چاندی کی چھٹکی ہوتی تھی۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ بھینی بھینی خوشبو چاروں طرف پھیلی ہوتی تھی اور راؤ جی اس پرستان میں اندر بننے پر یوں سے چھپل اور چھیڑ چھاڑ کر رہے تھے، گائیں چپ تھیں اور سامنے کچھ فاصلے پرنا پنے والیاں بھنپنی کھڑی اشارے منتظر تھیں۔

کلوں کرنے والیوں میں ایک نازنین نے آگے بڑھ کر راؤ جی کو سلام کیا اور زندگی سے کچھ ہٹ کر بیٹھی اور گانے والیوں کو اشارہ کیا کہ ہاں کچھ چھیڑو۔ کھڑی منہ کیا تکتی ہو۔

بس طبلے پر تھا پڑی اور گانے والیاں اونچے اور بیٹھے سروں میں گانے لگیں۔
پھر ای اے سُکھڑ کالا
پیوں والوں لا کھوں رو

اس نازنین نے جو چندر جوت کے نام سے مشہور تھی پنے کے ہت پیالے میں لال شراب بھر کر ہنتے ہوئے راؤ جی کے سامنے پیش کی۔ انہوں نے بڑی شوق سے لے کر شراب پی اور پیالہ اشرافیوں سے بھر کر لوٹا دیا۔ چندر جوتی نے اٹھا اٹھ کر سلام کیے اور اپنے گلے کے چند ہار توڑ کر اس کے موٹی راؤ جی پر سے نثار کر کے گانے والیوں کی طرف پھینکنے لگی، گائیں سورجھو کے سروں میں گانے لگیں۔

(1) دیسوں میں برج، بنوں میں چندر، پہاڑوں میں سیر، چڑیوں میں مور اور قلعوں میں لکا سب کا سر تاج ہے۔ ویسے ہی شاہی خاندانوں میں راٹھور کا خاندان سب سے اعلیٰ ہے۔ چندر جوتی نے پھر پیالہ بھر کر راؤ جی کو دیا اور گائیں گانے لگیں۔

(2) شراب پیو اور اڑانے کو چڑھو، آنکھیں لال رکھ جس سے تمہارے دشمن جل
مریں اور دوست خوش ہوں۔“

(3) شراب ہی دلی آگرہ ہے اور شراب ہی بیکانیر اے صاحب اشراب تو نوش
سبجیے اس کا ایک ایک دوسروں پر کا ہے۔“

(4) شعروں میں دو ہرہ سفید کپڑا۔ ناز نمین عورت اور کمیت گھوڑا اچھے ہوتے
ہیں۔ اے ناز نمین اشراب لا اس گانے بجانے اور زاہد فریب عورتوں کو بجانے ر
جھانے نے راؤ جی کا دل چھین لیا، اس پر طائفہ کا باہم آواز ملا کرتا ان لگانا اور بھی ستم
ڈھا گیا۔ راؤ جی ایسے از خود رفتہ اور بادہ نشاط میں ایسے مخمور ہوئے کہ اپنی نئی نویلی
دہن کو بھول گئے۔ جوان کے انتظار میں آغوش ناز کھو لے کھڑی تھی۔

راو جی کی راہ دیکھتے دیکھتے اور مادے کی نیشیں آنکھیں جھپکنے لگیں۔ کتنی ہی باندیاں
ان کو بلا نے کے لیے گئیں۔ پر راؤ جی پر یوں کے جنمگھٹ سے نہ اٹھ سکے۔ یہاں
تک کہ رات بہت کم باقی رہ گئی ہے۔

رانی نے جب دیکھا کہ وہ اور کسی کے بلا نے سے نہیں آتے ہیں تو اپنی شوخ
و شنک سیکلی بھاری لی سے کہا کہ اب راؤ جی کو لانا تیرا ہی کام ہے۔ اس نے کہا کہ
راو جی اس وقت آپے میں نہیں ہیں۔ مجھے نہ بھیجے، مگر اور مادے نے نہ مانا اور اسی کو
بھیجا۔

اوہر محفل عروضی بھی آرائی تھی۔ گائیں تیار بیٹھی تھیں۔ شراب کی بوتلیں چنی ہوئی
تھیں۔ گزر کٹشتہ ریوں میں دھری ہوئی تھی۔ صرف راجہ کے آنے کی دیر تھی۔ رانی کو
یقین ہو گیا کہ بھاری لی گئی ہے تو راجہ کو ضروری کھیجنا لائے گی۔ گانے والیوں کو اشارہ
کیا کہ کچھ چھیڑ و اور وہ میٹھے سروں میں گانے لگیں۔

(1) مہاراج محلوں میں تشریف لے چلیے۔ اب شراب کا مزہ اڑانے والے محلوں
میں چل، میں بہت دیر سے تج پر تیری نظار میں بستا ب ہو رہی ہوں۔

موقع محل کے مطابق گیت سن کر او ماڈے مسکراتی اور پھر لبا کر آنکھیں نیچی کر لیں۔ اس وقت اس کے نشہ شباب سے مست ول کی جو کیفیت ہو رہی تھی، بیان نہیں کی جاسکتی۔ خواصین، سہیلیاں دم دم پر دوڑاتی جاتی تھیں کہ دیکھے! راجہ جی آتو نہیں رہے ہیں۔ معمشوق انتظار میں بے چین ہو رہا تھا، گانے والیوں نے گیت کا وصرابند گایا۔

متحر اپنگل۔ پریاگ۔ مارواڑ۔ لاہور۔ غزنی۔ دریا اور بھنیر اور جیسلمیر یہ سب دلیں بھائیوں کے ہیں اے مہاراج محلوں میں تشریف لے چلیے۔

اب سہیلیوں نے او ماڈے پر سے کچھ اشرفتیاں شارکر کے گانوں کو دیں اور انہوں نے خوش ہو کر یہ دھرا گیت شروع کیا۔

”اے میرے راؤ! شباب کے مزے لوٹئے۔ رات تاروں سے“ تیج پھلوں سے اور جو نہیں جوش مستی سے بھری ہوئی ہے۔ پیارے جلد آ کر سکھ لوٹو۔“

اتنے میں ایک خواص نے کہا کہ وہاں راؤ جی نشہ میں چور چتھے ہیں اور شیشہ و جام کے لغٹے الائپے جا رہے ہیں۔ یہ سن کر گانے والیوں نے یہاں بھی گیت شروع کر دیا۔ صرف مصرع بدلتے ہیں۔

اے گھڑا ساقن انگوری شراب بھر ل۔ سونے کی بھٹی اور چاندی کا بیکا بتاؤں رانی اپنے ہاتھ میں پیالہ لیے کھڑی کہتی ہے۔ راج مارتم پو۔“

آم متوں کے ساتھ چلتا ہے اور مہوا اپنے پتے کھو کر اس کارس سا جن پیتا ہے۔

پھر اسے لاج کیوں کرائے۔“

”محلوں میں پکار پڑی ہے، اور اے بیٹے راج مارتم کو آنے کی فرصت نہیں۔“

اوہر چنپل، شوخ باریلی کچھ اس انداز سے اٹھاتی، لچکتی بل کھاتی راؤ جی کے پاس پہنچی کہ وہ جوانی اور شراب کی مستی میں اسی کو رانی سمجھ کر اسکے ساتھ چل دیئے۔

بھاریلی نے بھی انہیں وہاں سے ہٹا لے جانا ہی مناسب سمجھا، مگر وہ چلبی طبیعت کی

ناز نہیں تھی۔ راؤ کی نظر اپنے اوپر بے ڈھب پڑتے دیکھ کر لچا گئی یہ نہ کہا، بندی رانی نہیں، باندی ہی ہے، بلکہ راؤ جی کو مخالفتے میں وال کرائے گھر لے گئی۔ رانی اور ماڈے نے جب یہ سنا تو سنائے میں آگئی اور اس کی گائیں گانے لگیں۔

”بھرا اے سگھڑ کالا۔ انگوری شراب لا۔ پہلے تو کالا اس کی آشنا تھی پر اب تو اس عالی جاہ کی گھروالی ہو گئی ہے۔“

”جیسا میر دیس میں جب بجلیاں چمکتی ہیں وہ اوپر ہی اوپر چلی جاتی ہیں۔ ایسے ہی پر دیسی ساجن سے ملنے کا یقین نہیں ہوتا۔“

”بھیڑ لی تو تھی ان کے لیے پر اب وہ بندھی ہوئی کپاس چلتی ہے۔ لوٹدی جھیڑ میں دی گئی تھی۔ اب وہ پیاسے مل ہی گئی تھی۔“

او ماڈے کا ظہر تکہ راؤ جی کی اس بے انتہائی سے سرد پڑ گیا۔ اس کے چھٹی ہوئی جوانی نہیں معلوم دل میں کیا کیا انگلیں جوش مار رہی تھی۔ کیا کیا حوصلے پیدا ہو رہے تھے۔ اس نے شوہر کے خیر مقدم کی کیا کیا تیاریاں نہ کی تھیں۔ شیشه و جام ساز و سروڑ بناؤ چنا و میں کوئی وقیفہ فروگراشت نہ کیا تھا مگر انہوں سب سامان وہڑا رہ گیا وہ جھاکر اٹھی۔ گانے والیوں سے کہا تم لوگ جاؤ۔ صراحی اور جام اٹھا کر پٹک دیئے۔ وہ تھال جو آرتی کے لیے اس نے بڑے تکلف سے سجا یا تھا اور جوزریں چرانگوں سے جملگا رہا تھا اس نے اوندھا دیا اور غم و غصہ کے عالم میں پلنگ پر منہ پیٹ کر سورہی محل میں سنانا چھا گیا۔ اس وقت جو خیالات اسکے دل میں پیدا ہوتے تھے ان کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ اگر راؤ مالدیو یوں نے بہک جاتے تو اب تک یہی کمرہ رٹک جنت بنا ہوتا۔ میں ناب کے دور چلتے ہوتے۔ سر یہ راگوں سے کمرہ گونجتا ہوتا اور عاشق و معشوق باہمی دیدار کے مزے لوٹتے ہوتے۔ مگر یہ باتیں اب کہاں!!

سویرا ہوا۔ راؤ جی کا نشہ اترتا۔ جس ناز نہیں کو رانی سمجھے ہوئے تھے۔ اسے دیکھا تو

پانی کا گھر اور سلسلی کے محل شاہی کی طرف جا رہی ہے۔ سمجھ گئے بڑا دھوکہ ہوا۔ اسی وقت شرماتے ہوئے محل میں گئے۔ وہاں کاشنا محل کی ویرانی اور رانی کی سرد مہربی دیکھ کر جی بیٹھ گیا ہو لے۔

”اے بڑے رتبہ والی ناز نین او ما دیوی! ضد میں آ کر کیوں اپنے عاشق سے روٹھی تھج پر بیٹھی ہوتی ہے۔“

راوی جی کو دیکھتے ہی وہ انٹھ کھڑی ہوتی پر منہ سے کچھ نہ ہو لی۔

کمان ابرو کو کھینچ کر اس میں تیر مژگان کا نشانہ لگائے ہوئے ہاتھ مر وڑے منہ موڑے ناز نین غصہ سے بھری بیٹھی ہے۔

خواہیں دو روز پر کھڑی تھیں۔ بھاریلی کامارے خوف کے لہو سوکھا جاتا تھا۔ پر گانے والیاں بندہ ہوتی۔ وہ گانے لگیں۔

اے شراب میں مست مہاراج

تمہیں شراب کس نے پلائی

راوی جی نے بہت کہا کہ میں نشہ میں تھا۔ اس سوجہ سے ایسی حرکت سر زد ہوئی مگر رانی نے ایک نہ سنی۔ گانے والیوں نے بھی راوی کے اشارے سے بہت سے منانے کے گیت گائے مگر رانی پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اس جھمیلے میں دن بہت چڑھ آیا۔ آخر کار راوی جی یہ سوچ کر کہ پھر منالی میں گئے محل سے باہر نکل آئے۔ اسی وقت ان کے سردار بھی راول جی کے پاس سے اٹھے۔

راوی جی نے پھر محل کے اندر جا کر اپنی جان خطرے میں ڈالنا مناسب نہ جانا۔ باہر ہی سے خصتی کی درخواست کی۔ راول جی بھی یہی چاہتے تھے کہ بھید نہ کھلے۔ چپ چپاتے بدلتی ہو جائے۔

اوما دے راوی جی کے ساتھ جانے پر راضی نہیں ہوتی تھی۔ راگھو جی جیوتیشی نے سناتو اس سے کہا کہ کل تمہیں راوی جی کی جان پیاری تھی۔ کیا آج وہ پیار جاتا رہا؟ ان کی

جان ابھی تک خطرے میں ہے اور اس وقت روٹھنے کا موقع نہیں ہے۔

یہ سن کر رانی نرم ہوئی۔ ہندو راجہ کی لڑکی تھی اور ہندو دھرم کی مانتے والی جو عورتوں کی شوہر کی پرستش کی تعلیم دیتا ہے۔ ماں کے پاس گئی۔ پچھہ دیر سکھیوں کے گھل روئی رہی۔ پھر وہ گھونٹ پانی پیا اور چپ چاپ سکھپال میں بیٹھ گئی۔

راوی جی کے کہنے سے اومادیوی نے بھاریلی کو بھی الگ الگ رتھ میں بٹھایا۔ گویا اپنی تباہی کو اپنے ساتھ لے چلی۔ جو شی جی بھی پہنچانے کے بہانے سے ساتھ ہو گئے۔ ان کے بیٹھے چندہ جی پہلے سے راؤ کے اشکر میں آگئے تھے، کیوں کہ ان دونوں کے خوف تھا، مبادر اول جی پیچھے سے ان کی سر کو بی کریں، کیونکہ ان دونوں کو خوف تھا، مبادر اول جی پیچھے سے ان کی سر کو بی کریں، کیونکہ راول کو شہہ ہو گیا تھا کہ انہیں دونوں کی سازش سے شکار ہاتھ سے گیا۔

رانی کی بہت

رانی اومادے اپنی ضد پر قائم رہی۔ راوی جی سے نہ یوتی ہے، نہ انہیں اپنے پاس بیٹھنے دیتی ہے۔ راوی جی آتے ہیں تو وہ ان کے بڑے ادب سے تعظیم کرتی ہے۔ مگر پھر الگ جائیجھتی ہے۔ اس کے معشووقانہ اواز اور شکل و شباہت نے راوی جی کو بہت فریقت کر لیا ہے۔ وہ بہت چاہتے ہیں کہ پچھنہ ہو تو وہ ذرا نہ سکر بولی دے مگر رانی ان کو با اکل خاطر میں نہیں لاتی۔ علی ہڈ اوہ بھاریلی سے بھی پچھی رہتی ہے۔ بھاریلی اپنے معمولی کام کیے جاتی ہے اور آنکھ بچا کر راوی جی سے نہ بول بھی یقین تھی۔

راوی جی سمجھتے تھے کہ بھاریلی ہی نے میری جان بچائی۔ وہ ان سے کہتی کہ آپ ہی کی بدولت یہ میری ناقدری ہو رہی ہے۔ اب میری لاج آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر آپ نے من میلا کیا تو میں میں کہیں کی نہ رہوں گی۔ راگھو جی جو شی نے بھی کہا کہ اگر بھاریلی مجھ سے بھید نہ بتاتی تو جو خدمت میں نے آپ کی ہے، وہ ہرگز نہ کر سکتا۔

راوی جی اتنا تو جانتے تھے کہ راول جی کی بری نیت کی خبر مجھے جو شی جی نے دی اور جو شی جی کو بھاری لیلی سے اس کا پتہ لگا مگر وہ یہ نہ جانتے تھے کہ بھاری لیلی سے کہنے والا کون تھا۔ اس کا حال تو جب معلوم ہوتا کہ رانی اومادے اپنے منہ سے کچھ کہتی۔ مگر وہ تو بھاری لیلی، راوی جی اور جو شی سبھوں سے ایسی بیزار ہو رہی تھی کہ زبان ہی نہ کھوئی تھی۔ اس کا دھرم کہتا کہ تیرا یوں روٹھے رہنا زیب انہیں مگر اس کا دل انہیں مانتا تھا۔ وہ جب طبیعت کو دبا کر کچھ بات چیز کرنے نیت کرتی تو کوئی زبان پکڑ لیتا۔ بے چاری اپنے دل سے لا چاڑھی۔

بھاری لیلی اومادے کی اس خاموشی سے ڈرتی رہتی ہے کہ کہیں مجھ پر برس نہ پڑیں۔ ایک دن دل کڑا کر کے وہ اس کے پیروں پر گر پڑی اور گردگر کر کہنے لگی کہ ”بائی جی آپ جو چاہیں خیال فرمائیں آپ کو اختیار ہے۔ مگر میں نے تو اس وقت بھی آپ کی بھلامی ہی کی تھی جب آپ نے مجھے راوی جی کو لینے کے لیے بھجا تھا، کیونکہ محل سے باہر نکلتے ہی مجھے شبہ ہو کہ کوئی شخص زنانے بھیں میں راوی جی پر تاک لگائے ہوئے ہے۔ اس لیے میں نے انہیں آپ کے محل میں لانا خطرے سے خالی نہ سمجھا اور اپنے گھر لو اگئی۔ راوی جی نشہ میں متاوے ہو رہے تھے۔ رات بھروسے رہے اور میں کثیر لیے کھڑی رہی جب ان کی نیند کھلی اور وہ اپنے ہوش میں آئے تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئی۔ اگر اس میں کچھ میری خطا ہو تو معاف کریں۔“ اومادے نے یہ سب باتیں سب تو لمیں پر منہ سے کچھ نہ بولی۔ بھاری لیلی کھسپیانی ہو کر چلی گئی۔

بارات جو وہ پور پہنچ گئی۔ دیوان اور وزیر بڑی دھوم دھام سے استقبال کو آئے کو سوں تک فوج اور تماشا ہائیوں کا تاتا تالگ گیا۔ قاعده میں پہنچتے ہی زنان خانے کی طرف سے باجوں کے ساتھ پھول چوں سے سجا ہوا ایک کلاسا آیا۔ راوی جی اس میں اشرفیاں ڈال کر اندر چلے گئے۔ ان کی ماں رانی پد ماجی نے بیٹے اور بہو پر سے اشرفیاں نچھا

و رکیں۔ بیٹے اور بہونے ان کے پیر چوئے۔ اندر جا کر دیوی دیوتاؤں کی پوجا کی
گئی اور امامادے ایک آراستہ پیر استھان محل میں اتنا ری گئی۔

راوی جی کے اور بھی کئی رانیاں تھیں اور ان کی بال بچے بھی تھے۔ پڑ رانی (خاص
محل) آمیر کے راجہ بھیم کی صاحبزادی لاپھل دی تھی۔ راوی جی کافر زندگی بر رام اسی
رانی سے پیدا ہوا تھا۔ جھالے کی رانی سروپ دی سب رانیوں میں حسین تھی۔ اس
نے راوی جی کا مزاج بالکل اپنے قابو میں رکھا تھا مگر جب سے اس کو معتبر خبر مل تھی کہ
اوامادے مجھ سے حسن میں کہیں بڑھ چڑھ کر ہے تب سے اس کی چھاتی پر سانپ
لوٹ رہا تھا۔ ڈرتی تھی کہ کہیں راجہ صاحب مجھے نظر وہ سے گرا کر اسی کے بس میں
نہ ہو جائیں۔ لیکن جب آج اس نے سنا کہ وہ پہلے ہی شب کو روٹھ گئیں اور یہاں
اکر بھی وہی کشیدگی ہے۔ تب اس کی جان میں جان آئی۔

ماں سے رخصت ہو کر راوی جی جھال رانی سروپ دی کے محل میں تشریف لے
گئے۔ اس نے بڑی خوشی دوڑ کر راوی جی کے قدم چھوئے اور اپنا موتیوں کا بیش بھاہار
توڑ کر ان پر موتی ثار کیے۔ وہ اوامادے کی کشیدگی اور جنے پن سے بہت بیزار اور
رنجدیدہ ہو رہے تھے۔ رانی سروپ دی کی اس گرمگرمی اور جوش تپاک سے بہت
مسرور ہوئے اور اسے شادی کا سب حال سن لگے۔ رانی نے سب سن کر عرض کی کہ
اگر ارشاد ہو تو ایک دن میں بھی بھٹانی جی سے مل جاؤں۔

راوی جی: بھٹانی کیا ہے، ایک بھانا (پتھر) ہے۔

سروپ دی: (ہنس کر) ”واہ! آپ نے بڑی عزت کی بھانا کیوں ہونے لگیں؟
بھٹانی میں۔“

راوی جی: ”ہاں! بھٹانی تو ہے مگر پتھر کی بنی ہے۔ غرور کی بچی مورت۔“

سروپ دی: ”ایشور نے حسن دیا ہے، تو غرور کیوں نہ کریں۔ کیا آپ کو یہ بات
کبھی نہ بھانی۔؟“

راوی جی: ”آخر غرور کی بھی کوئی حد ہے۔“

سروپ دلی: ”بھلا جوا یک بڑے گھر کی بیٹی ہو، ایک بڑے راؤ کی رانی ہوئی نویلی دہن ہو، نو جوان حسین ہو۔ اس کے گھمنڈ کی کیا حد ہو سکتی ہے۔ مجھے جیسے غریب گھر کی کیا گھمنڈ کرے گی؟“

راوی جی: ”یہ سب تم نے ٹھیک کہا مگر اس کا مزاج واقعی بہت سخت اور دکھا ہے۔ تم اس سے مل کر خوش نہ ہو گی۔“

سروپ دلی: اچھا تو آپ تشریف لے چلیے۔ ہم سب آپ کے ساتھ ساتھ چلیں گے۔

راوی جی: (ہنس کر) ٹھیک ہے! تمہارے ساتھ چل کر اپنی بے عزتی کرواؤ۔

سروپ دلی: (گرم ہو کر) وہ کیا اس کا باپ بھی آپ کی بے عزتی نہیں کر ستا۔

راوی جی: عورت چاہے تو شوہر کی بہت کچھ تو ہیں کر سکتی ہے۔

سروپ دلی: ”جب آپ اتنی سی بات میں اپنی بے عزتی سمجھیں گے تو اس کا گھمنڈ کیوں کرنے چاہے گا اور کون نجھائے گا؟“

راوی جی: ”ہاں! یہی دیکھنا ہے۔“

آمادے اور اس کی سوکنیں

رانی سروپ دلی نے سب رانیوں سے کہا۔ بھیجا کے بھٹانی سے ملنے کے لیے تیاری کیجیے۔ دوسرا دن سب رانیاں بن ٹھن کر بڑے ٹھے سے امدادے نے اٹھ کر رانی لاچھل دلی کو سب سے اوپر اٹھایا اور زیادہ تر اسی سے بات چیت کی۔ باقی سب رانیوں سے معمولی طور پر ملی اور بہت کم بولی۔ اس لیے وہ دل میں بہت گڑ بڑائیں اور اس کی شکل و شباهت کو دیکھ کر تو ان کے دلوں پر داغ پڑ گئے۔

لوٹنے پر لاچھل دلی تو اپنے محل میں چلی گئی۔ باقی رانیاں سروپ دلی کے محل میں جمع ہو کر مشورہ کرنے لگیں اور بہت دماغ خرچ کرنے کے بعد یہ رائے طے پائی کہ

او مادے تو روٹھی ہی ہے۔ راؤ جی کو بھی جوڑ تو لگا کراس سے خفا کر دینا چاہیے تاکہ وہ اس کے محل میں جانا با اکل ترک کر دیں کیونکہ اگر بھی اس نے نہ کر راؤ جی کی طرف دیکھ لیا تو وہ اسی کے ہو جائیں گے۔ اتنے میں راؤ جی آگئے اور پوچھا۔ ”کہو بھٹانی جی کیسی ہیں؟“

سرپ روپ دی: ”میں تو بہت اچھی پر اخڑ پھیسری ہیں۔“

راو جی: ”تب تو دولتیاں بھی جھاڑتی ہوں گی۔“

سرپ روپ دی: ”میں اس سے کیا جو پاس جائے وہ لات کھائے۔“

راو جی: ”سو بات کی ایک بات تو یہی ہے۔“

تب راؤ جی نے دوسری رانیوں سے بھی رائے پوچھی۔ رانی پارہتی نے کہا۔ ”مہراج وہ بڑی گھمنڈن ہیں۔ اپنے برادر ہمیں کیا ما جی کو بھی نہیں سمجھتیں۔“ جھانی رانی ہیرا دی نے فرمایا۔ ”مہراج کچھ پوچھئے۔ اپنے سوا وہ سب کو جانو رجھستی ہیں۔“

آہڑی رانی لا چھو دی بولیں۔ ”میں تو جا کر بہت پچھتاں۔ اس کی ماں ایسی ضدی چھوکری نہ جانے کہاں سے لائی۔ اس کی آنکھوں میں نہ لاج ہے، نہ بات چیت میں لوج، میں تو آپ کو اس کے پاس نہ جانے دوں گی۔“

سو گری رانی لا ڈانے کہا۔ ”وہ تو مارے گھمنڈ کے مری جاتی ہے۔ نہ آئے کی عزت نہ گئے کی خاطر۔ ایسی مہارانی کے پاس کوئی جا کر کیا کرے۔“

چوہانی رانی اندر بولیں ”مہراج میں نے بہت عورتیں دیکھیں ایک سے ایک سندر، مگر ایسا پھر اہوا مزاج کسی کا نہ دیکھانہ جانے اس کے گورے بدن میں کون سا بھوت سا گیا ہے۔“

رانی راج بھانی نے فرمایا۔ ”گوری چٹی ہے تو کیا۔ لچھن تو دو کوڑی کے بھی نہیں۔ بڑے گھر آگئی نہیں تو سارا گھمنڈ وہر ارہتا۔“

جھاٹی رانی نورنگ دیکی بولیں ”جوانی کے نشے میں دیوانی ہو رہی ہے۔ یہ نہیں جانتی جوانی تو سب پر آتی ہے۔ کچھ اسی پر نہیں ہے کل جوانی جاتی رہے گی تو یہ سب دماغ خاک میں مل جائے گا۔“

یہ سب زہریلی باتیں سن کر راؤ جی کو بھی غصہ آگیا۔ انہوں نے اومادے کے یہاں آنا جانا کم کر دیا۔ کبھی جانتے بھی تو اسے ایک نگاہ دیکھ کر چلے آتے۔ اومادے بھی صرف ان کی تعظیم کے لیے کھڑی ہو جاتی، کچھ بات چیت نہ کرتی۔

راوُّ جی کے دو اور بھٹائی رانیاں تھیں۔ ان سے وہ اومادے کی نسبت کچھ گفتگونہ کرتے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ انہیں اومادے کی شکایت ناگوار گز رے گی۔ وہ بھی راؤ جی سے کچھ نہ کہتیں پر جی میں یہی چاہتی تھیں کہ اگر ان کا اومادے سے ماپ ہو جاتا تو بھی اچھا ہوتا۔ ایک دن موقع ڈھونڈ کر انہوں نے کچھواہی رانی لاچھل دیتی سے کہا کہ اومادے ناوانی سے اپنے پیر میں آپ کلہاڑی مار رہی ہے۔ ابھی کم سن ہے۔ سوتنوں کے واویچیک کو کیا جانے۔ اگر یہی کیفیت رہی تو بے چاری کو زندگی اجیرن ہو جائے گی۔ آپ دیکھتی ہیں کہ اب راؤ جی بھی ان کے یہاں کم جانتے ہیں مگر اس کی اکڑ بھی تک جوں کی توں ہے۔ راؤ جی ایسی مہری نہ کرنی چاہئے۔ وہ تو ابھی الحضر ہے۔ اگر ناوانی کرے تو قابل معافی ہے۔ مگر راؤ جی عقلمند ہو کر کیوں اس سے روٹھتے ہیں؟

لاچھل دیتی بہت نیک بخت اور دورس عورت تھیں۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ میں راؤ جی سے اس کا تذکرہ کروں گی۔ پس ایک دن شام کے وقت وہ راؤ جی کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور اوہ راہر کی بات چیت کرتے کرتے پوچھا۔ ”آپ نے نہیں رانی کے پاس آنا جانا کیوں کم کر دیا؟“

راوُّ جی: ”میں تو برابر آتا جاتا تھا اگر اسی نے روٹھ کر مزا کر کر دیا۔“

رانی لاچھل: ”وہ روٹھی کیوں مجھے اس کا بھیدا ب تک نہ کھلا۔“

راوی جی: ”بھاریلی کی بدولت“

لاچھل: ”پھر آپ بھاریلی کو کیوں اتنا منہ لگاتے ہیں۔ وہ اومادے کے برابر کی نہیں۔“

راوی جی: ”اس میں میری کیا خطا ہے۔ اومادے ہی نے اسے میرے پاس بھیجا تھا۔“

لاچھل: ”ٹھیک ہے۔ مگر چاہے کہ بھاریلی، بھاریلی کہ جگہ رہ اور اوما، اوما کی جگہ۔“

راوی جی: ”میں بھی تو یہی چاہتا ہوں، پر اونہیں مانتی۔ اس کے جی کا کچھ حال ہی نہیں کھلتا کہ آخر اس کا نشانہ کیا ہے۔ تم ذرا پتہ تو لگاؤ۔“

لاچھل: ”بہت اچھا کوئی موقع آنے دیجیے۔“

رانی لاچھل: ”وی نے یہ سب باتیں اوما سے کہیں، اس نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ مگر اس کا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ ہاں اوما کو یہ معلوم ہو گیا کہ یہاں بھی ایک عورت ایسی ہے، جو میرے دکھ کو سمجھ سکتی ہے۔ اب سے وہ اکثر لاچھل سے ملاقات کر کے اس سیدل بہلاتے اور اسے بھی بانی۔ اس کے لڑکے کمار رام کو بھی بہت پیار کرتے تھی۔

منانے کی کوشش

دوسرے سال راوی المدیو نے اپنی سلطنت میں دورہ کرنا شروع کیا اور گھوٹتے ہوئے اب تیر جا پہنچ۔ ہاں کچھ دنوں تک قلع میں ان کا قیام رہا جو کسی زمانے میں بیل دیو اور پر تھی راج جیسے پرتاپی مہاراجوں کے تخت زرگار سے مزین ہوتا تھا۔ راوی جی کو اس قلعہ پر حکمران ہونے کا بہت ناز تھا۔ ایک روز اتر اکراپنی چوبانی رائیوں سے کہنے لگے۔ راٹھور بھاڑا چوبان کسی راٹھور کی زبان سے ایسی بات سن کر کیوں کر ضبط کر سکتا تھا۔ دنوں خاندانوں میں اگر چہ شادی بیاہ ہوتا تھا مگر وہ پرانی رقبابت دلوں سے صاف نہ ہوتی تھی۔ چنانچہ میاں بیوی میں بھی بسا اوقات ترش کلامی کی نوبت آ جاتی تھی۔